۷۷واں باب

سالِ غم اور سفرِ طائف

۴۳۴ نرم و گرم ایّام سے گزرتی زندگی میں صادق وامین کی پرورش

۴۳۴ چچا ابو طالب کی سرپرستی و پشت پناہی

۴۳۵ غم کا پہلا حملہ، وفاتِ ابو طالب

۴۳۶ غم کو دوچند کرنے والی آزمائش، ابو لھب کا سردارِ قبیلہ بننا

۴۳۷ نسبی قبیلے کے مقابلے میں ایک نظریاتی قبیلہ

۴۳۷ قبائلی نظام کے مروجہ تحفظ سے محرومی کے بعد حقِ جوار

۴۳۸ غم کا دوسرا حملہ، وفاتِ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا

۴۴۰ جاہلیت اور اسلام کے درمیان جنگ کا میدان اور انداز بدل گیا

۴۴۰ منکرین اور مخالفین جری ہو گئے

۴۴۱ اب مکہ کو چھوڑنا ہے، مگر کہاں جائیں؟

۴۴۱ دعوتِ دین کی مشغولیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خانگی مسائل

۴۴۲ آپ کے مسائل کا اہلِ ایمان کو احساس اور نکاحِ ثانی کی تجاویز اور رشتے

۴۴۳ سیّدہ سودہ رضی اللہ عنہا سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح

۴۴۳ مکہ سے باہر کسی مقام کے لیے طائف اور راہ کی بستیوں کا انتخاب

۴۴۴ طائف میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد اور تبلیغ کا آغاز

۴۴۵ طائف مکہ سے بھی زیادہ کم نصیب ثابت ہوا

۷۷واں باب

سالِ غم اور سفرِ طائف

نرم و گرم ایّام سے گزرتی زندگی میں صادق و امین کی پرورش

نبی ﷺ کے والد، والدہ اور دادا کی سات سال کے اندر یکے بعد دیگرے اموات کے بعد آپ ﷺ کے چچا زبیر نے آپؐ کی پرورش کی، یہاں تک کہ آپؐ بالغ اور معاشرے کے ایک پسندیدہ صادق و امین جواں مرد بن گئے۔ چچا زبیر کی موت کے بعد چچا ابو طالب جو بنو ہاشم کے سردار بھی تھے، آپ کے براہِ راست سرپرست تھے اور قبائلی نظام کے مطابق آپؐ کے والد کی جگہ بڑے بھی۔ آپ ﷺ نے بھی چچا کے ادب و احترام اور اُن کی خدمت و تعاون میں کوئی کمی نہ چھوڑی اور آپ کی مالی تنگی کو دیکھتے ہوئے شادی کے بعد آسودگی آنے پر آپ ﷺ نے علیؓ بن ابی طالب کو جو کم عمر تھے اپنی کفالت میں لے لیا۔

چچا ابو طالب کی سرپرستی و پشت پناہی

نبوت کے چوتھے سال جب آپ ﷺ نے بنو ہاشم کو کھانے پر بلایا اور توحید کی اعلانیہ دعوت دی تو ابو لھب کی مخالفت کے جواب میں ابو طالب نے بھرپور مدد کا یقین دلایا۔ پھر جب نبی ﷺ کے پہاڑی پر خطاب سے سارا قریش آپ ﷺ کا دشمن بن گیا اور اس ابتلا کے پورے گزشتہ سات برسوں میں ابو طالب آپؐ کے پشت پناہ بنے رہے ۔ابو طالب، نبی ﷺ کے خلاف سردارانِ قریش کی ساری دھمکیوں کے سامنے آہنی چٹان بن کر کھڑے ہو گئے تھے۔

ابو طالب کے والد عبد المطّلب، زم زم کی بازیافت اور پھر قریشِ مکہ کی ابرہہ کے سامنے نمایندگی اور پھر ابرہہ کی بربادی کے نتیجے میں پورے قریش کے غیر متنازعہ، مسلمہ اور ہر دل عزیز لیڈر اور بڑے بزرگ بن گئے تھے، عبد المطّلب کی موت کے بعد ابو طالب کو ورثے میں ملی سرداری میں اس حیثیت کا رعب داب باقی تھا، لیکن جب آپ کے بھتیجے نے اعلانیہ بتوں کی اور نظامِ جاہلیت کی مذمت شروع کی اور ایک نئے دین کو غالب کرنے کے عزم کا اعلان اور ایسا ہو جانے کی بشارت دینی شروع کی تو سردارانِ قریش میں اور اُن

کے پیچھے چلنے والے عام لوگوں میں ایک پریشانی کی لہر دوڑ گئی۔ تمام سرداروں کی بے انتہا منت سماجت کے باوجود ابو طالب کے اپنے بھتیجے محمدؐ کی پشت پناہی سے پیچھے نہ ہٹنے نے، اِن کی پوزیشن نہ صرف کم زور کر دی بلکہ اُن کو سرداروں کی صف میں بالکل تنہا کر دیا۔ نہ صرف یہ ہوا بلکہ غضب یہ ہوا کہ ہر وہ شخص جو نبی ﷺ کی مخالفت میں آگے تھا وہ قریش میں ہر دل عزیز اور اُس کا لیڈر بننے لگا۔ اس نئی لیڈر شپ میں چھچھورے اور کم ظرف قریش پر غالب آ گئے اور عبد المطّلب کو جو پوزیشن حاصل تھی وہ عمرو بن ہشام [ابو جہل] لے اُڑا۔

غم کا پہلا حملہ، وفاتِ ابو طالب

ابو طالب بوڑھے ہو چلے تھے، اسّی سال سے اوپر نکل رہے تھے، مقاطعہ کے گزشتہ تین سال پریشانی اور ایک نوع کی جنگ میں گزارے تھے، نبی ﷺ کے مستقبل اور بنو ہاشم و عبد المطّلب ہی کی نہیں سارے قریش کے مستقبل کے بارے میں بھی وہ اندیشہ ہائے دور دراز میں کھوئے ہوئے تھے۔ اِس ضعیفی اور حالات کی سنگینی میں بیمار ہو جانا نہ تو غیر متوقع تھا اور نہ ہی وقتِ آخر کے آ جانے کے خطرے سے خالی تھا۔

مقاطعہ کے اختتام کے پانچ چھ مہینے بعد ابو طالب بیمار ہو ہی گئے اور لوگوں نے جانا کہ وہ وقت آ گیا ہے جو ہر ایک پر آتا ہے۔ انھی ایّام میں ایک دن قریش کے سردار ابو طالب سے ملنے کے لیے آئے تو انھوں نے قریش کے سرداروں کو نصیحت کی، اُن کے سامنے اُن کے آبا و اجداد کی خوب توصیف کی، قریش کی تعریف اور فضائل بیان کیے اُنھیں اُن کی مشترکہ ذمہ داریوں سے آگاہ کرتے ہوئے نصیحت کی کہ حرمِ کعبہ کی حرمت کو ہر حال میں برقرار رکھنا، اسی میں اللہ کی رضا ہے، خون کے رشتوں کا پاس کرنا، صلۂ رحمی کرنا، ایک دوسرے پر زیادتی نہ کرنا، کسی کا حق نہ مارنا، کھانے پر جو بلائے اُس سے انکار نہ کرنا، سوال کرنے والے کی مدد کرنا، سچائی پر قائم رہنا، امانت میں ہر گز خیانت نہ کرنا۔ محمدؐ کے ساتھ بھلائی سے پیش آنا کیوں کہ وہ قریش میں امین اور تمام عرب میں سب سے سچا ہے اور اُس میں وہ تمام اوصاف جمع ہیں جن کی میں نے تمھیں نصیحت کی ہے۔ وہ ایسی بات لایا ہے جسے دل مانتا ہے مگر زبان لوگوں کے جھٹلانے کے خوف سے اُس کا انکار کرتی ہے مگر اللہ کی قسم! میں دیکھ رہا ہوں کہ عرب اور اس کے گرد بستیوں کے کم زور اور نادار لوگ آگے بڑھ کر محمدؐ کی لائی ہوئی بات تسلیم کر لیں گے، اُس کے لائے ہوئے کلمے کی تصدیق کریں گے، اس کے مشن کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے کھڑے ہو جائیں گے اور وہ اِن کو ساتھ لے کر خطرات کے میدان میں کود پڑے گا اور قریش کے سردار اور اکابر اُن سبقت لے جانے والوں کے پیچھے پیچھے چلنے والے بن کر رہ جائیں گے۔

یہ بیماری جان لیوا ثابت ہوئی اور یوں نبی ﷺ کا محافظ و پاسباں مقاطعہ کے اختتام کے چھ ماہ بعد، رجب سن ۱۰ نبوی میں مختصر علالت کے بعد وفات پا گیا، نبی ﷺ آپ کی موت سے انتہائی غمگین اور شدید پریشانیوں کا شکار ہوئے۔

غم کو دو چند کرنے والی آزمائش، ابولھب کا سردارِ قبیلہ بننا

اسلامی تحریک، قبائلی نظام زندگی میں اپنے واحد قبیلے کے سردار سے جو اُس کے قائد کا حامی و پشتیبان تھا محروم ہو گئی، صرف اتنا ہی نہیں ہوا بلکہ اُس کی جگہ لینے والا بنو ہاشم کا سردار ایک ایسا خراب شخص تھا جو سیرت و کردار کے اعتبار سے کرپٹ، کم ظرف اور کینہ پرور تھا، جس کے لیے قرآن میں مذمت کی ایک سورۃ نازل ہوئی، یہ وہ کلنک کا ٹیکا تھا جو پورے قریش میں اس کے علاوہ کسی کو نہ لگا۔ مقاطعہ کے دوران اُس نے قریش کی ساری روایتوں کو توڑ کر قبیلے کا نہیں بلکہ قبیلے کے خلاف صف آرا دوسرے قبائل کا ساتھ دیا، اس کی اس حرکت پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے جبریلِ امین سورۃ اللھب لے کر آئے۔ نبی ﷺ کی حمایت میں جس طرح عزم و استقلال کی انتہاؤں کو ابو طالب نے پایا، ابو لھب نے اُسی طرح دوسری جانب کم ظرفی اور بزدلی کی حدوں کو چھو لیا۔

ایک بات جس کا تذکرہ بہت ضروری ہے وہ یہ کہ ابو طالب کی وفات کے فوراً بعد اُس نے اپنے بھتیجےؐ کی اپنے سابق سردار کی پیروی میں حفاظت کا ارادہ ظاہر کیا، قریش کے دیگر سرداروں نے ایک چال چلی اور اس کے پاس آئے کہ وہ محمدؐ سے یہ سوال کریں کہ عبدالمطّلب راہ یاب تھے یا بتوں کی پرستش کے باعث وہ بھی گم راہ تھے، آپ ﷺ کی جانب سے سچا اور اصولی جواب پانے پر اُس کے اندر کا مشرک باطن جاگ گیا اور اُس نے آپؐ کی پشت پناہی سے معذرت ہی نہیں کی بلکہ اُسی پرانے کینہ پرور روّیے کی طرف لوٹ آیا۔ اُس کم بخت نے بنو ہاشم اور بنو عبدالمطّلب سے آپ ﷺ کے تعلق کو ختم کرنے کا اعلان کر دیا، عرب رواج کے مطابق اب آپ ﷺ کا کوئی قبیلہ نہیں تھا جو دشمن کے مقابلہ میں آپؐ کا ساتھ دے۔ بات اگر اتنی ہی سادہ ہوتی تو آپؐ شدید پریشانی اور دشمن کے ہاتھوں میں آ جاتے، لیکن بنو ہاشم میں حمزہؓ اور علیؓ جیسے آپؐ کے جاں نثار موجود تھے کہ اِن کی جان لیے بغیر آپؐ کو ہاتھ لگانا مشکل تھا، چچا عباس اگرچہ ابھی تک ایمان نہیں لائے تھے مگر اپنے بھائی ابو طالب کے نقشِ قدم پر ہر طرح سے آپؐ کے نگہبان تھے۔

نسبی قبیلے کے مقابلے میں ایک نظریاتی قبیلہ

عمرؓ بن الخطاب اور ابو بکرؓ صدیق جیسے لوگوں کے علاوہ سو کے قریب آپؐ کے جاں نثار مختلف قبیلوں سے بھی تھے جو ایک نوع کا نسبی نہ سہی مگر نظریاتی قبیلہ بناتے تھے، مگر خود نبی ﷺ کو اپنے اس قبیلے کو اپنی حفاظت کے لیے استعمال کرنے کا حکم دینا فوری طور پر مکہ میں شدید خانہ جنگی کا باعث بن سکتا تھا، اور ظاہر ہے آپؐ فساد کو ناپسند کرتے تھے۔ خانہ جنگی کی صورت میں ہر قبیلے سے کچھ لوگ اپنے مسلمان رشتے داروں کے ساتھ مل جاتے، یوں قبائل کا امتیاز ختم ہو جاتا اور نظام بیٹھ جاتا، یہ ایک طرح کا فساد ہوتا جس میں کسی کے جیتنے اور ہارنے کا سوال نہیں تھا، نبی ﷺ اور آپؐ کے فہم و فراست والے اصحاب نہ اس کو پسند کرتے اور نہ ہی قریش کے زیرک سردار، وہ تو یہ چاہتے تھے کہ نعوذ باللہ محمدؐ کا کام تمام کر دیں تو باقی کوئی لیڈر شپ نہیں رہے گی اور لوگ واپس اپنے دین پر آ جائیں گے۔ یوں یہ صورتِ حال دونوں کے ہاتھ باندھے ہوئی تھی، لیکن ابو لھب کے اعلان کے بعد آپؐ سرکاری طور پر کسی قبیلے میں نہیں تھے، جس کا مطلب یہ ہے کہ جاری نظام آپؐ کو کوئی تحفظ نہیں دے رہا تھا۔

قبائلی نظام کے مروجہ تحفظ سے محرومی کے بعد حقِ جوار

اگر جاری نظام میں آپؐ کو اپنا قبیلہ کوئی تحفظ نہیں دے رہا تھا تو آپ ﷺ حقِ جوار کے ذریعے یہ تحفظ کسی دوسرے قبیلے سے حاصل کر سکتے تھے۔ مگر فوری طور پر کوئی بڑی ضرورت یا دھمکی (threat) اس کی متقاضی بھی نہیں تھی۔ قبائلی نظام میں کسی فرد کو حقِ جوار مہیا کرنا عربوں کا ایک پرانا دستور تھا، اس دستور کے مطابق اگر کوئی فرد کسی قبیلے کے سردار یا فرد سے حقِ جوار حاصل کرنا چاہتا تو وہ قبیلہ اور سردار اُسے اپنے لیے عزت افزائی جانتے تھے اور اگر کسی خرابی کا اندیشہ نہ ہو تو خوشی سے حقِ جوار دے دیتے تھے۔ کیوں کہ حق پانے والے شخص کے مرتبے، مال و دولت اور سیرت و لیاقت کے مطابق معاشرے میں اس قبیلے یا فرد کے اپنے وقار اور مرتبے میں اضافہ ہو جاتا تھا، اس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ معاشرے میں اس کے مقام و معاشرے میں اس کا اقرار کیا گیا ہے اور حقِ جوار دینے سے یہ لازم آتا تھا کہ یہ حق دینے والا قبیلہ یا فرد اس شخص کو جس کے ساتھ یہ تعلق قائم کر رہا ہے اپنا اتحادی سمجھ کر اس کے جان و مال اور عزت و آبرو کا اسی طرح ذمہ دار ہو گا جس طرح وہ اپنے قبیلے کے لوگوں کے جان و مال اور عزت و آبرو اور حقوق کا ذمہ دار ہے۔

وہ اللہ العالمین جو اس کائنات کو چلانے والا ہے، اپنی حکمت اور منصوبوں کو زیادہ جانتا ہے، جس نے محمد

ﷺ کو حق کے ساتھ آخری نبی اور رسول بنا کر اپنے دین، اسلام کو عملاً غالب کرنے اور رائج کر کے دکھانے کے لیے مبعوث کیا، جس نے یتیم پیدا ہونے والے بچے کی خبر گیری کی، جسے شرک کی آلودگی سے محفوظ رکھا اور غور و فکر سے توحید آشنا کیا، پھر اُسے رہتی دنیا تک کے لیے اور سارے عالم کے انسانوں کے لیے اپنا نمایندہ بنایا وہ جانتا ہے کہ اب اپنے نبیؐ کو کتنے آسان اور کتنے مشکل راستے سے لے کر چلنا ہے اور اُس کے لیے آیندہ کیا منصوبہ ہے، وہ جانتا ہے کہ نبی کا خاندان اور قبیلہ اِس شرک دشمنی اور توحید کے پرچار کے جرم میں سہ سالہ مقاطعہ سے چُور چُور ہے اور اس مادّی دنیا میں جو ابو طالب کی شکل میں ظاہری سہارا تھا، اُس کا نبیؐ ابھی چند ہفتوں ہی پہلے اُس سے محروم ہوا ہے۔

غم کا دوسرا حملہ، وفاتِ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا

اب مالک الملک کا ایک اور اشارہ ہے، دیکھیے: سیّدنا ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ جبریل علیہ السلام نبی ﷺ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: اے اللہ کے رسول! یہ خدیجہؓ تشریف لا رہی ہیں، ان کے پاس ایک برتن ہے جس میں سالن یا کھانا یا کوئی مشروب ہے۔ جب وہ آپؐ کے پاس آپہنچیں تو آپؐ انھیں ان کے رب کی طرف سے سلام کہیں اور جنت میں موتی کے ایک محل کی بشارت دیں جس میں نہ شور و شغب ہوگا نہ درماندگی و تکان (بخاری باب تزویج النبی ﷺ خدیجہ و فضلہا ۱/۵۳۹) مالک الملک کا اشارہ صاف تھا کہ خدیجہؓ بھی واپس مالک الملک کے پاس چلی جائیں گی۔

سیّدۃ النساء العالمین والمومنات، خدیجہ رضی اللہ عنہا، وہ پہلی انسان، پہلی ہستی جس نے آپؐ کی صداقت و نبوت کی تصدیق کی، وہ بھی چچا ابو طالب کی موت کے چند ہی ہفتوں بعد ۱۰ رمضان سن ۱۰ نبوی کو وفات فرما گئیں۔ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی ذات نے آپؐ کو آغوشِ محبت عطا کی، آپؓ کی دولت نے آپ ﷺ کو آسودہ اور فکرِ معاش سے بے نیاز کیا، جن کی کوکھ سے آپؐ کی اولاد نے جنم لیا۔ وہ ہستی جو آغازِ نبوت سے لے کر اِس وقت تک آپؐ کے لیے وجہ سکون و تسلی بنی رہی تھی۔

رسول اللہ ﷺ اور سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ایک دوسرے کے لیے مثالی رفیقِ زندگی تھے۔ نبوت سے کئی سال قبل جب سے آپ نے تنہائی میں غور فکر شروع کیا، وہ آپؐ کی آگے بڑھ کر معاون بن گئیں۔ پہاڑی غاروں میں آپؐ کے اعتکاف و قیام کے لیے زادِ راہ تیار کرتیں اور ہم راہ کرتیں، خود لے کر جاتیں اور ڈھونڈتیں کہ آپ کس غار میں ہیں۔ [اُس پہاڑی سلسلے میں کئی غار تھے، جن میں سے غارِ حرا اس لیے زیادہ

مشہور ہوا کہ پہلی وحی کے موقع پر آپ یہاں تھے] نبوت کے بعد وہ صرف آپ کی وفادار، غم خوار اور محبت کرنے والی بیوی ہی نہیں بلکہ وہ پہلی انسان تھیں جو آپ پر ایمان لائیں، اب رفیق زندگی ہی نہیں، تحریکی رفیق بھی تھیں۔ پہلے اپنی چاہت ووفا آپ پر نثار کر کے اب ساری زندگی آپ کی دعوت پر نثار کر دی۔ نبی ﷺ کو زندگی میں بہت عزیز تھیں اور اُن کے مرنے کے بعد اُن کی یاد بھی آپ ﷺ کو عزیز تھی۔ آپؐ فرماتے تھے کہ خدیجہؓ کی وفاداری کے سبب مجھ کو اُن کی یاد مرغوب ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیوی سیّدہ خدیجہؓ کی یاد میں فرمایا:

" جس وقت لوگوں نے میرے ساتھ کفر کیا وہ مجھ پر ایمان لائیں۔ جس وقت لوگوں نے مجھے جھٹلایا انھوں نے میری تصدیق کی۔ جس وقت لوگوں نے مجھے محروم کیا انھوں نے مجھے اپنے مال میں شریک کیا اور اللہ نے مجھے اُن سے اولاد دی ....(مسند احمد ۱۱۸/۶)

کیسی عجیب بات ہے کہ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی شان میں ویسے ہی الفاظ کہے جو انصار مدینہ کے تعاون اور پشت پناہی کے اعتراف کے لیے انصارِ مدینہ سے کہا تھا ایسے کہو اور میں تصدیق کروں گا کہ :

اے اللہ کے رسول آپؐ ہمارے پاس اس حالت میں آئے کہ جب آپؐ کو جھٹلایا گیا تھا، ہم نے آپؐ کی رسالت کی تصدیق کی، آپؐ کو سب نے بے یار و مددگار چھوڑ دیا تھا، ہم نے آپؐ کی مدد کی، آپؐ اپنے گھر سے نکال دئے گئے تھے، ہم نے آپؐ کو پناہ دی، آپؐ محتاج تھے، ہم نے آپؐ کی غم خواری اور غم گساری کی۔ .... [بحوالہ ابن ہشام]

دیکھیے کہ انصارِ مدینہ کی شان میں کہے گئے جملوں میں اور اُن جملوں میں کتنی مشابہت ہے جو آپ نے اپنی رفیقِ اوّل کے لیے ادا کیے تھے، اور ساتھ یہ بھی سوچیے کہ ابو طالب کی موت کے چند ہفتوں بعد اِس ہستی کی موت نے بتقاضائے بشری پہلے ہی سے شکستہ دل کو مزید کتنا آزردہ اور ملول کیا ہوگا۔ اسی لیے آپؐ نے اس سال کو سالِ غم کہا!

سیّدہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے نبی ﷺ کے گھر میں چھ بچے پیدا ہوئے۔ دو بیٹے اور چار بیٹیاں۔ دونوں بیٹے کم عمری ہی میں فوت ہو گئے تھے، سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی دو بیٹیوں رقیہ رضی اللہ عنہا اور زینب رضی اللہ عنہا کی شادی آپؓ کی زندگی میں ہو گئی تھی۔ جب آپؓ کی وفات ہوئی اُس وقت دو بیٹیاں اُمّ کلثوم اور فاطمہ رضی اللہ عنہما کنواری تھیں، فاطمہ رضی اللہ عنہا تو ابھی بہت چھوٹی تقریباً آٹھ سال ہی کی تھیں۔ جناب علی رضی اللہ عنہ نے بھی سیّدہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں نبی

ﷺ کی سرپرستی میں پرورش پائی تھی، وہ بھی ابھی ۱۲/۱۳ سال ہی کے چھوٹے بچے تھے، یوں آپ کی ناگہانی موت پر گھر میں بچوں کی دیکھ بھال کرنے والی کوئی بھی دوسری خاتون نہ تھی۔

جاہلیت اور اسلام کے درمیان جنگ کا میدان اور انداز بدل گیا

اِن یکے بعد دیگرے دو اموات نے اُس عزیمت کے پہاڑ [ﷺ] کو غمگین کر دیا، نہ صرف اُس [ﷺ] کی زندگی کا بلکہ جاہلیت کے خلاف اسلام کے معرکے کا رُخ بھی بدل گیا، یہی اللہ کی مشیت تھی۔ آخر وہ بھی ایک حسّاس دل رکھنے والا انسان ہی تھا، غموں سے مغلوب ﷺ نے اپنی زندگی کے اِس سال کو سالِ غم [عام الحزن] قرار دیا، اس کا ہر گز یہ مطلب نہیں کہ اِن غموں نے اُس کے جوشِ عمل اور پیش قدمی میں کوئی کمی کی یا وہ مایوس و دل شکستہ ہو کر سست قدم ہوا، ہر گز نہیں وہ رب کی رضا پر راضی، توکل و قناعت، صبر و رضا کا مجسم نمونہ [ﷺ] پہلے سے کہیں زیادہ تن دہی کے ساتھ اپنی بچیوں کی پرورش و حفاظت کے ساتھ جاہلیت سے مقابلہ کے لیے اپنی جان کی ساری توانائیوں سے لڑنے کے لیے تن بہ تقدیر کھڑا ہو گیا، اُس [ﷺ] نے اپنے چچا ابو طالب سے جو کہا تھا، اپنے رب سے جو وعدہ کیا تھا کہ اگر ایک ہاتھ پر چاند اور دوسرے ہاتھ پر سورج رکھ دیں تب بھی میں اس کام سے باز نہ آؤں گا، اللہ مجھے یا تو کامیاب کر دے گا، یا میں اس کام میں کام آ جاؤں گا۔ اُس [ﷺ] کی شریک حیات نے اُس کی تعریف میں جو جملے کہے تھے اب اُن جملوں کی لاج رکھنی تھی۔ اُس نے اپنے قول کی لاج رکھی، وہ اپنی بیوی کی تعریف کا موضوع بنا، وہ اپنے رب سے کیے گئے عہد کو پورا کر گیا۔

لاکھوں سلام ہوں اُس انسانِ عظیم پر، محسنِ انسانیت پر، توحید کے علم بردار آخری رسول پر! **اللّٰھم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی اِبراھیم وعلی آل اِبراھیم اِنک حمید مجید اللّٰھم بارک علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی اِبراھیم وعلی آل اِبراھیم انک حمید مجید**

منکرین اور مخالفین جری ہو گئے

اِن دو پشت پناہ اور محبوب ہستیوں کے اس فانی دنیا سے کوچ کر جانے کے بعد کفارِ مکہ نبی ﷺ کے سامنے عداوت میں پہلے سے زیادہ جری ہو کر آپؐ کو تنگ کرنے لگے۔ حتّٰی کہ آپؐ کا گھر سے باہر نکلنا بھی

دو بھر ہو گیا ابن اسحاق کا بیان ہے کہ ابو طالب کی موت کے بعد ہمتیں اتنی بڑھ گئیں کہ ایک قریشی نے آپ ﷺ کے سر پر مٹی ڈال دی۔ آپ ﷺ اسی حالت میں گھر تشریف لائے۔، فاطمہؓ روتے ہوئے مٹی دھورہی تھیں اور رسول اللہ ﷺ انھیں تسلی دیتے ہوئے فرماتے جارہے تھے۔ بیٹی! نہ روؤ، اللہ تمھارے باپ کی حفاظت کرے گا۔ اِن سارے حالات کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے کسی مداہنت اور کسی کم زوری کا مظاہرہ نہ کیا، آپؐ اسی طرح حرم میں نمازیں ادا کرتے اپنے رفیقوں کی دل جوئی، ہمت بندھانے، امید دلانے اور تلاوت وتزکیے کے کام کو پورے ابتدائی جوش وخروش سے انجام دیتے رہے، ہوا کا رخ بدل گیا تھا، اللہ سے تائید ونصرت کی دعا کے ساتھ آپ حالات سے نبرد آزما ہونے کے لیے سوچتے رہے کہ اب کیا کیا جائے؟

اب مکہ کو چھوڑنا ہے، مگر کہاں جائیں؟

اِن حالات میں یہ بات بالکل صاف تھی کہ اب مکہ سے فوری طور پر نکلنا ہے۔ مکہ سے اور اس کے مشرک باسیوں سے رسول اللہ ﷺ کو اتنی بھی امید نہیں تھی کہ وہ آپؐ کو چین سے اس شہر میں ٹکنے بھی دیں گے۔ دوسرے تو ایک طرف، خود آپؐ کے اپنے قبیلے کے سردار ابولہب نے بھی آپؐ کو وارننگ دے دی تھی کہ یا تو اپنے دین کی تبلیغ سے باز آجاؤ یا مکہ چھوڑ دو۔ آپؐ تو مامور من اللہ تھے، اُسی اللہ کے اشارے پر آپؐ نے مکہ سے باہر دوسرے افراد، قبیلوں اور مقامات کا جائزہ لینا شروع کردیا جو آپؐ کی دعوت کو قبول کرلیں، مکہ کے نصیب جاگے تھے کہ اُن کے درمیان اللہ کا نبی مبعوث ہوا تھا اور برملا عرب وعجم کی بادشاہی کے مژدے سنا رہا تھا، اپنی چودھراہٹوں کو بچانے اور نفس کی بے قید چند روزہ زندگی لوٹنے کے لیے مکہ کے ناعاقبت لیڈروں نے دنیا اور آخرت کی کامرانیوں کو ٹھکرا دیا۔

دعوتِ دین کی مشغولیت میں آپ ﷺ کے خانگی مسائل

اصولی طور پر یہ بات بالکل ٹھیک تھی کہ مکہ سے اب نکلنا ہے مگر دو سوالات بہت اہم تھے اوّل یہ کہ علیؓ بھی ابھی بڑے نہیں ہیں، گھر میں کوئی بڑی خاتون نہیں، کیسے نکلا جائے جب کہ لڑکیاں ابھی چھوٹی ہیں، اُن کی ماں کی وفات ہوئے ابھی کچھ ہی دن گزرے ہیں۔ دوسرا سوال یہ کہ کہاں جایا جائے۔ سوچ بچار کے بعد آخر کار آپؐ نے مکہ کے قریب کم وبیش ۱۰۰ کلو میٹر (۶۲ میل) کے فاصلے پر قریش کے ایک اور شہر طائف جانے کا اس امید پر فیصلہ کیا کہ شاید وہاں آباد بنو ثَقیف اسلام کی دعوت قبول کرلیں وگرنہ کم از کم آپؐ اُنھیں اس بات پر آمادہ کرلیں کہ وہ آپؐ کو اپنے شہر میں سکون سے رہنے کا موقع دے دیں لیکن آپؐ گھر چھوڑ کر نکلیں

توکس پر چھوڑ کے نکلیں ؟غلبۂ دین کی مہم کے لیے نئے مقام کی تلاش میں کسی بھی اقدام سے پہلے یہ سوال آپؐ کے سامنے تھا۔ جب تک خدیجہ رضی اللہ عنہا زندہ تھیں تو گھر سے باہر دین کے کاموں کے لیے کبھی آپؐ کو سوچنا ہی نہ پڑا، اب جب وہ گھر کی منتظم آپؐ کی دل نواز اور جاں پر سوز مطیع وفرماں بردار اس دنیا میں نہ رہیں تو پھر اِن سارے مسائل نے سر اُٹھایا۔

آپ کے مسائل کا اہلِ ایمان کو احساس اور نکاحِ ثانی کی تجاویز اور رشتے

مخلص مسلمان دوستوں نے آپؐ کی مصروفیات اور مشکلات کے پیشِ نظر نکاح ثانی کے لیے تقاضا شروع کر دیا اور آپؐ بھی رضامند ہو گئے۔ ایک روز عثمانؓ بن مظعون کی بیوی خولہؓ نبی ﷺ کے پاس آئیں اور کہنے لگیں کہ یارسول اللہ آپؐ شادی کے لیے کنواری لڑکی چاہتے ہیں یا شوہر دیدہ خاتون؟ آپؐ نے پوچھا کہ کون؟ خولہؓ نے بتایا کہ کنواری تو ابو بکرؓ کی بیٹی عائشہؓ ہو سکتی ہیں اور شوہر دیدہ سودہؓ بنتِ زمعہ! نبی ﷺ نے آمادگی کا اظہار کر دیا۔ خولہؓ پہلے ابو بکرؓ کے گھر گئیں۔ ابو بکرؓ کا مکان بنی جمح کی آبادی میں تھا، جہاں نبی ﷺ باقاعدگی سے اُن سے ملنے جاتے تھے۔ خولہؓ نے اُن کی بیوی سے کہا مبارک ہو! کس بات کی مبارک؟ ابو بکرؓ کی بیوی نے دریافت کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے عائشہؓ کے رشتے کے لیے بھیجا ہے، جواب ملا کہ ابو بکرؓ آنے ہی والے ہیں اُن سے بات کرنا۔ تھوڑی دیر میں ابو بکرؓ آ گئے اور اُنھوں نے فرمایا کہ عائشہؓ کا رشتہ تو پہلے ہی سے طے ہے۔ مگر چوں کہ جہاں رشتہ طے ہوا تھا وہ گھر والے لوگ مخالف کیمپ میں ہیں لہٰذا معلوم کرنا ہوگا کہ وہ اس رشتے کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں یا نہیں۔ ابو بکرؓ کے معلوم کرنے پر اُن کی طرف سے یقین ہو گیا کہ وہ رشتہ ختم کرنا چاہتے ہیں [اُنھیں ڈر تھا کہ ابو بکرؓ اپنے داماد کو نئے دین میں داخل کر لیں گے] تو اُنھوں نے خولہؓ سے کہا جاؤ رسول اللہ ﷺ سے کہیے کہ تشریف لے آئیں۔ چناں چہ رسول اللہ ﷺ، ابو بکرؓ کے گھر تشریف لے گئے اور آپؐ کی عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ رشتے کی بات پکی ہو گئی۔ کیا خوب سعادت تھی جو عائشہؓ اور اُن کے گھر والوں اور سارے اہلِ ایمان، جو موجود تھے اور جو آنے والے تھے، سب کے حصے میں آئی! تاریخ جس پر آج تک رشک کرتی ہے۔

شادی کے رشتے کی بات صرف رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کے درمیان طے پائی عائشہؓ اُس وقت موجود نہ تھیں۔ عرصے بعد کسی موقع پر اُنھوں نے بتایا کہ انھیں اپنی اس نئی حیثیت کا احساس اُس وقت ہوا جب ایک دن وہ گھر سے باہر سہیلیوں کے ساتھ کھیل رہی تھیں اور وہ جگہ گھر سے کچھ دور بھی نہیں تھی کہ

اُن کی امی آئیں اور اُن کو ہاتھ سے پکڑ کر گھر کے اندر لے گئیں اور کہا کہ آئندہ گھر سے باہر نہیں کھیلا کرو۔ سہیلیوں کو بتادو کہ اگر کھیلنا ہے تو گھر میں آکر کھیلیں۔ اگرچہ اِن کی والدہ نے اِن کی شادی کے بارے میں کچھ نہ بتایا مگر عائشہؓ کو ایک اشارہ سا مل گیا۔ لیکن اِن کے معمولات میں کوئی فرق نہ آیا، مگر بس اتنا کہ اُنھیں اب گھر سے باہر کھیلنے کے بجائے گھر کے صحن میں کھیلنا پڑتا تھا۔

سیّدہ سودہ رضی اللہ عنہا سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح

سودہؓ بنت زمعہ کے پہلے شوہر مرحوم سکران رضی اللہ عنہ بالکل ابتدائی مبارک مسلمانوں میں سے تھے، دوسری مرتبہ حبشہ کو ہجرت کے لیے جانے والوں میں شامل تھے، حبشہ سے مکہ واپسی پر سکرانؓ نے داعی اجل کو لبیک کہا، یوں سودہؓ بیوہ ہوگئیں ۔خولہؓ نے سودہؓ کے پاس پہنچ کر انھیں خوش خبری دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تمھارے پاس رشتے کے لیے بھیجا ہے، سودہؓ نے خولہؓ سے کہا کہ یہ بات ابو بکرؓ سے کریں۔ خولہؓ، ابو بکرؓ کے پاس اس معاملے کے ساتھ پہنچیں تو ابو بکرؓ نے پسندیدگی کا اظہار فرمایااور سودہؓ کو بلا کر اُن کی مرضی دریافت کی تو سودہؓ نے رضامندی ظاہر کرتے ہوئے کہا، جی ہاں! ابو بکرؓ نے خولہؓ سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہیں کہ تشریف لے آئیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے تو ابو بکرؓ نے آپؐ کا نکاح سودہؓ بنت زمعہ سے پڑھا دیا۔ سابق رفیق سکرانؓ کا سودہؓ کے بطن سے ایک بیٹا عبدالرحمٰن بھی تھا، اُن کی سرپرستی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں ہوئی۔ شادی کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر اور بچوں کی دیکھ بھال ام المؤمنین سودہؓ کی ذمے داری بن گئی اور آپ اِن معاملات سے کافی حد تک بے فکر ہوگئے کیوں کہ سیّدہ سودہؓ ۵۰ برس کی تجربہ کار سن رسیدہ مہاجر و مجاہد بیوہ خاتون تھیں۔ یوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے مشن میں لگ جانے کی فرصت مل گئی۔ سیّدہ خدیجہؓ کی موت کے بعد سودہؓ بنتِ زمعہ پہلی بیوی ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں داخل ہوئیں۔

مکہ سے باہر کسی مقام کے لیے طائف اور راہ کی بستیوں کا انتخاب

جیسا کہ ابھی کچھ پہلے تحریر کیا گیا تھا کہ سوچ بچار کے بعد آپؐ نے دعوتِ دین کے لیے طائف جانے کا فیصلہ کر لیا تھا، مگر ذاتی طور پر اُس وقت کوئی سواری میسر نہ تھی اور غالباً اس حکمت کے پیشِ نظر کہ راستے کی آبادیوں میں دین کی دعوت بھی دیتے جائیں گے آپؐ نے سواری کے انتظام کی طرف توجہ بھی نہیں فرمائی۔

مکہ سے طائف تک کا سارا سفر آپؐ نے پیدل ہی طے کرنے کا فیصلہ کیا، شوال میں [سن ۱۰ نبوی اواخر مئی یا اوائل جون سن ۶۱۹ء] آپؐ نے اپنے سفرِ طائف کا آغاز کیا۔ اپنے ساتھ ساتھ صرف اپنے منہ بولے بیٹے زیدؓ بن حارثہ کو لیا جو اُن دنوں زیدؓ بن محمدؐ** کہلاتے تھے۔

راستے میں جس قبیلے کے علاقے سے بھی گزر ہوتا رسول اللہ ﷺ وہاں کے لوگوں کو اسلام کی اور اپنے علاقے میں اسلام کا مرکز بنانے کی دعوت دیتے لیکن کسی نے بھی آپؐ کی بات کو قبول نہیں کیا، یہ گراں قدر شرفِ قبولیت تو اہلِ یثرب کے لیے مقدّر تھا!

طائف میں نبی اکرم ﷺ کی آمد اور تبلیغ کا آغاز

جب طائف پہنچے تو قبیلہ ثقیف کے تینوں سرداروں کے پاس تشریف لے گئے جو آپس میں بھائی تھے اور عمرو بن عمیر ثقفی کی اولاد تھے، جن کے نام تھے:

۱: عبد یالیل ۲: مسعود ۳: حبیب

رسول اللہ ﷺ نے ان تینوں کو اللہ کی اطاعت اور نصرتِ اسلام کی دعوت دی۔ جواب میں:

- پہلے نے کہا کہ وہ کعبے کا پردہ پھاڑے [۲۵۷] اگر اللہ نے تمھیں رسول بنایا ہو۔
- دوسرے نے کہا کہ کیا اللہ کو تمھارے علاوہ کوئی اور نہ ملا؟
- تیسرے نے کہا کہ میں تم سے ہرگز بات نہ کروں گا۔ اگر تم واقعی پیغمبر ہو تو تمھاری بات رد کرنا میرے لیے انتہائی خطرناک ہے اور اگر تم نے اللہ پر جھوٹ گھڑ رکھا ہے تو پھر مجھے تم سے بات کرنی ہی نہیں چاہیے۔

** اُس وقت تک منہ بولے بیٹوں کی قانونی حیثیت کا تعین نہیں ہوا تھا اور وہ عرب کلچر کے مطابق، متبنیٰ بنانے والے کی ولدیت ہی سے پکارے جاتے تھے، چناں چہ زیدؓ اُن دِنوں زید بن محمدؐ ہی کے نام سے پکارے جاتے تھے جب مدینے میں اللہ تعالیٰ کا حکم آگیا کہ لوگ اپنے حقیقی باپوں ہی کے نام سے پکارے جائیں تو وہ زیدؓ بن حارثہ کہلانے لگے۔

۲۵۷ یعنی تیرا نبی ہونا اس طرح ناممکن ہے جس طرح کعبے کے پردے کا پھاڑا جانا۔

یہ جواب سن کر نبی اکرم ﷺ وہاں سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور وقار سے یہ کہا کہ تم لوگوں نے جو کچھ کیا، بہر حال اسے پس پردہ ہی رکھنا۔ رسول اللہ ﷺ نے طائف میں کم و بیش دس دن قیام فرمایا، اس دوران آپ ﷺ آبادی میں بسنے والے ہر قابلِ ذکر عزت و مرتبہ رکھنے والے فرد کے پاس تشریف لے گئے اور ہر ایک کو دل سوزی سے سمجھایا لیکن انھوں نے نہ صرف یہ کہ آپؐ کی کوئی بات نہ مانی، بلکہ آپؐ سے مطالبہ کیا کہ طائف سے فوراً نکل جائیں، اُن کو یہ خوف لاحق ہو گیا تھا کہ کہیں آپؐ کی تبلیغ سے مکہ کی مانند یہاں کے نوجوان بھی نہ "بہک" جائیں۔

طائف مکہ سے بھی زیادہ کم نصیب ثابت ہوا

مجبوراً آپؐ طائف سے باہر نکلنے کے لیے روانہ ہوئے تو ثقیف کے سرداروں نے علاقے کے اوباشوں کو تنگ کرنے کے لیے آپ ﷺ کے پیچھے لگا دیا۔ وہ راستے کے دونوں جانب دور تک آپ ﷺ پر تالیاں پیٹتے، آوازیں کستے [ہوٹنگ]، گالیاں دیتے اور پتھر مارتے رہے، یہاں تک کہ آپ ﷺ زخموں سے چُور ہو گئے اور آپ ﷺ کے دونوں جوتے خون میں تر بتر ہو گئے۔ سیّدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ڈھال بن کر چلتے ہوئے اپنے جسمِ اطہر پر پتھروں کو روک رہے تھے جس سے ان کا سر کئی جگہ سے پھٹ گیا۔ کمینگی اور بدمعاشی کا یہ سلسلہ اُس وقت تک جاری رہا جب تک کہ آپ ﷺ مکہ والے ربیعہ کے بیٹوں عتبہ اور شیبہ کے ایک باغ میں پناہ لینے کے لیے داخل نہ ہو گئے جو مکہ کے راستے میں طائف سے چار کلو میٹر کے فاصلے پر تھا۔ آپ ﷺ کے یہاں داخل ہونے پر لفنگے واپس لوٹ گئے اور آپ ﷺ ایک دیوار سے ٹیک لگا کر انگور کی بیل کے سائے میں بیٹھ گئے۔ قدرے اطمینان ہوا تو اپنے رب سے ایک درد بھری اور محبت و عزیمت کی شاہ کار دعا کی۔ اگلے صفحے پر دی گئی یہ دعا، دعائے مستضعفین کے نام سے مشہور ہے۔ اس دعا کے ایک ایک لفظ میں آپؐ کے ساتھ طائف میں کی گئی بد سلوکی کی اور زخموں سے چُور آپؐ کے جسم و احساسات کی تصویر پنہاں ہے، یہ دعا خود آپؐ کی رسالت پر دلیل ہے، ایسی حالت میں صبر و رضا میں ڈوبے یہ الفاظ ایک پیغمبر کے علاوہ کسی اور زبان سے ادا ہو ہی نہیں سکتے۔ [بعض علمائے حدیث اس روایت کو معتبر نہیں مانتے ہیں]

☆☆☆☆☆

دعائے مستضعفین

اَللّٰھُمَّ اِلَیْكَ اَشْکُوْ ضُعْفَ قُوَّتِیْ وَ قِلَّةَ حِیْلَتِیْ وَ ھَوَانِیْ عَلَی النَّاسِ یَا اَرحَمَ الرَّاحِمِیْنَ اَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِیْنَ وَ اَنْتَ رَبِّیْ اِلٰی مَنْ تَکِلُنِیْ، اِلٰی بَعِیْدٍ یَتَجَھَّمُنِیْ اَمْ اِلٰی عَدُوٍّ مَلَّکْتَهٗ اَمْرِیْ اِنْ لَّمْ یَکُنْ بِكَ عَلَیَّ غَضَبٌ فَلَا اُبَالِیْ وَ لٰکِنْ عَافِیَتُكَ ھِیَ اَوْسَعُ لِیْ اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْھِكَ الَّذِیْ اَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمَاتُ وَ صَلُحَ عَلَیْهِ اَمْرُ الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ مِنْ اَنْ تُنْزِلَ بِیْ غَضَبَكَ اَوْ یَحُلَّ عَلَیَّ سَخَطُكَ لَكَ الْعُتْبٰی حَتّٰی تَرْضٰی وَ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِكَ۔

بارالہا! میں صرف تیرے ہی سامنے اپنی کم زوری و بے چارگی اور لوگوں کی نگاہ میں اپنی نا قدری کا شکوہ کرتا ہوں۔ یا ارحم الراحمین! تو سارے ہی کم زوروں کا پروردگار ہے اور میرا بھی پروردگار تو ہی ہے۔ تو مجھے کس کے حوالے کر رہا ہے؟ کیا کسی بیگانے کے حوالے جو مجھ سے درشتی و سختی کے ساتھ پیش آئے؟ یا کسی دشمن کے حوالے جو میرے معاملات پر قابو پالے؟ اگر تو مجھ پر غضب ناک نہیں ہے تو پھر مجھے کوئی پروا ہی نہیں، لیکن تیری طرف سے عافیت مجھے نصیب ہو جائے تو یہ بات میرے لیے زیادہ کشادگی کی ہے۔ میں پناہ مانگتا ہوں تیری ذات کے اس نور کی جس سے تاریکیاں روشن ہو جاتی ہیں اور دنیا اور آخرت کے معاملات درست ہوتے ہیں، مجھے اس سے بچالے کہ مجھ پر تیرا غضب نازل ہو یا تیرا عتاب وارد ہو۔ میں تیری مرضی پر راضی ہوں یہاں تک کہ تو مجھ سے راضی و خوش ہو جائے۔ تیری پشت پناہی کے بغیر کوئی زور اور طاقت نہیں ملتی